36

اللہ تعالیٰ تمہیں بڑھانا چاہتا ہے اس لیے تمہیں اپنی قربانی بھی ہر قدم پر بڑھانی پڑے گی

تحریکِ جدید میں زیادہ سے زیادہ وعدے لکھاؤ
انہیں جلد پورا کرو اور نئے لوگوں کو اس میں شامل کرو

(فرمودہ 3 دسمبر 1954ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں نے گزشتہ جمعہ تحریکِ جدید کے نئے سال کے متعلق اعلان کیا تھا۔ چونکہ وعدوں کی آخری تاریخیں مجھے یاد نہیں تھیں اس لیے میں نے اعلان کیا تھا کہ وعدوں کی آخری تاریخیں پچھلے سال کی تاریخوں کے مطابق ہوں گی اور بعد میں شائع کر دی جائیں گی۔ لیکن افسوس ہے کہ محکمہ متعلقہ نے اس کی اہمیت کو نہ سمجھا، نہ اس نے خطبہ نویس کو تاریخیں لکھوائیں اور نہ بعد میں اخبار میں اعلان کرایا۔ مومن کو اپنے کاموں میں ہوشیار ہونا چاہیے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں جلدی اور احتیاط سے کام کرنا چاہیے۔ احتیاط اس لیے کہ اگر ہم اپنے اندازے میں غلطی کر جائیں اور کام کے بعض پہلو ترک کر دیں تو ہمیں صحیح نتیجہ کی امید نہیں ہو سکتی

اور جلدی اس لیے کہ یہ زمانہ جلدی کرنے کا ہے۔ دنیا دوڑ رہی ہے۔ جب تک ہم دنیا کے ساتھ ایسی رفتار کے ساتھ نہ دوڑیں کہ ہماری رفتار اُس سے تیز ہو اُس وقت تک ہمیں کسی اچھے نتیجہ کی امید نہیں ہوسکتی۔ اب میں اعلان کرتا ہوں کہ مغربی پاکستان کے لیے آخری تاریخ وعدے بھجوانے کی 23 فروری ہوگی اور مشرقی پاکستان کے لیے آخری تاریخ 31 مارچ ہوگی اور بیرونی ممالک جہاں کی مقامی احمدیہ آبادی ہندوستانی یا پاکستانی ہے اُن کی آخری تاریخ 30راپریل اور باقی بیرونی ممالک کے لیے 30 جون۔

میں نے گزشتہ جمعہ یہ اعلان تو کر دیا تھا کہ نئے سال میں احباب تحریکِ جدید کی طرف زیادہ توجہ کریں اور پہلے سالوں سے بڑھ چڑھ کر وعدے لکھوائیں لیکن دو باتیں ایسی ہیں جن کی طرف میں آج جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ اگر ہم نے اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ہے تو ہمارے کام نے ہر سال بڑھنا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم نے اپنے گزشتہ ارادوں، امیدوں اور پروگراموں کو پورا نہ کیا تو آئندہ ان کے پورا کرنے کی امید کم ہی کی جاسکتی ہے۔

سب سے پہلے میں اِس بات کو لیتا ہوں کہ ہمیں اپنے بڑھنے کا خیال رکھنا چاہیے اور یہ بات کبھی نظرانداز نہیں کرنی چاہیے کہ جو کام ہم نے شروع کیا ہے اگر یہ ترقی کی طرف مائل ہے تو لازماً وہ بڑھے گا۔ اگر ہم صرف اِس بات پر کفایت کر لیں کہ جس طرح ہم پہلے تھے آئندہ بھی ہم اُسی طرح رہیں گے۔ ہم بڑھیں گے نہیں تو یہ امر ہماری جماعت کے بڑھاپے پر تو دلالت کرسکتا ہے اِس کی جوانی پر دلالت نہیں کرسکتا۔ انسان کے اوپر تین قسم کے دَور آتے ہیں۔ پہلا دَور انسان کے پیدا ہونے اور اُس کے ترقی کرنے کا دَور ہوتا ہے۔ اِس دَور میں ہمیشہ آج کی حالت کل کی حالت سے بہتر ہوگی اور آج کی ذمہ داریاں کل سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج سے، ہم جسمانی طور پر چوبیس گھنٹے مراد نہیں لے سکتے۔ انسانی زندگی کی بڑھوتی میں بعض دفعہ ایک دن، چھ ماہ کا ہوتا ہے، بعض دفعہ ایک سال کا ہوتا ہے اور بعض دفعہ پندرہ یا بیس سال کا ہوتا ہے۔ اِسی طرح انسانی زندگی میں بعض تغیرات ایسے ہوتے ہیں جو تین چار ماہ کے عرصہ میں ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بچپن کی عمر میں پہلا تغیر

انسان کے اندر بولنے، چلنے اور دانت نکالنے کا ہوتا ہے۔ ان سارے تغیرات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک محدود وقت میں ہونے لگ جاتے ہیں۔ بعض بچے ایسے ہوتے ہیں جو پہلے بولنے لگ جاتے ہیں اور بعض بچے پہلے چلنے لگ جاتے ہیں۔ ایک غریب سے غریب گھر میں بھی جو بچوں کے لیے گڑیاں بھی نہیں خرید سکتا، بچہ غُوں غُوں کرتا ہے تو دوسرے بچے شور مچا دیتے ہیں کہ ننھا غُوں غُوں کر رہا ہے۔ یا وہ سر اُٹھانے لگ جاتا ہے تو دوسرے بچے شور مچا دیتے ہیں کہ آج ننھا سر اُٹھا رہا ہے۔ انہیں سارے تغیرات نظر آتے ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے۔ ہم کہتے ہیں کہ فلاں پیدا ہوا اور جوان ہوا۔ درمیانی تغیرات کا علم ہمیں نہیں ہوتا لیکن اردگرد کے رہنے والے اُس کے معمولی معمولی تغیرات کو بھی محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً بچہ غُوں غُوں کرتا ہے تو اردگرد والے کہتے ہیں ننھا غُوں غُوں کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کل تک اُس نے غُوں غُوں، کیا تھا۔ یا اگر بچہ منہ میں انگوٹھا ڈالتا ہے تو اس کے قریب رہنے والے کہتے ہیں ننھے نے اپنا انگوٹھا منہ میں ڈالا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ترقی اُس نے آج کی ہے۔ کل تک اس نے منہ میں انگوٹھا نہیں ڈالا تھا۔ پھر ایک اَور زمانہ آتا ہے۔ جب بچہ اپنا سر اُٹھانے لگ جاتا ہے۔ اردگرد والے اُس کے اِس تغیر کو بھی محسوس کرتے ہیں۔ جس وقت بچے کے اعصاب مضبوط ہو جاتے ہیں اور وہ لوگوں کو اردگرد چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ بھی اپنی گردن اونچی کرتا ہے اور قریب کھیلنے والے بچے شور مچاتے ہیں کہ آج ننھے نے گردن سیدھی کی ہے۔ اِس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ آج سے قبل اُس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ یہ ترقی اس نے آج کی ہے۔ پھر بچہ اِس قابل ہو جاتا ہے کہ بیٹھنے لگ جاتا ہے اور اپنی کمر ایک حد تک سیدھی کر لیتا ہے تو بچے شور مچاتے ہیں کہ ننھا بیٹھ گیا ہے۔ اِس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اس نے یہ ترقی آج کی ہے۔ پھر ان تغیرات کے ساتھ ساتھ حالات میں بھی تغیر ہوتا ہے۔ جب بچہ اتنی چھوٹی عمر کا ہوتا ہے کہ وہ صرف چارپائی پر لیٹا رہے تو ماں کو چوبیس گھنٹہ اُس کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور یہ خیال بھی صرف اِس حد تک ہوتا ہے جس حد تک بچے کے لیٹنے کا سوال ہوتا ہے۔ پھر بچہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے اور اپنے منہ میں انگوٹھا ڈالنے لگ جاتا ہے تو جن لوگوں کو توفیق ہوتی ہے وہ اپنے بچوں کو چوسنی لے دیتے ہیں تا وہ اسے مسوڑھوں کے نیچے

دباتا رہے۔ انگوٹھا چوسنے کی خواہش طبعی ہوتی ہے کیونکہ اُس وقت مسوڑھوں میں خراش پیدا ہوتی ہے اور انگوٹھا چوسنا یا چوسنی منہ میں رکھنا دانتوں کے نکلنے اور ان کے بڑھنے میں مدد دیتا ہے۔ اب یہ چوسنی کا خرچ زائد ہو جاتا ہے۔ پہلے یہ خرچ نہیں ہوتا تھا۔ پھر بچہ اَور بڑا ہوتا ہے۔ مثلاً وہ سر اُٹھانے لگ جاتا ہے تو تکیوں کی ضرورت پیش آتی ہے تا اُس کو سر اُٹھانے میں تکلیف نہ ہو۔ تکیہ رکھ کر اُس کے سر کو بلند کر دیا جاتا ہے اور اِس طرح سر اُٹھانے میں اسے سہولت ہو جاتی ہے۔ پھر اِس سے بڑا ہوتا ہے تو گدیلوں اور تکیوں کی ضرورت ہوتی ہے تا بچہ بیٹھنے لگ جائے۔ اور جب بچہ اَور بڑا ہوتا ہے تو گھر والے اُسے ایک دو پہیے کی گاڑی بنوا دیتے ہیں جو بوجھ پڑنے پر آگے چلنے لگ جاتی ہے تا کہ اِس طرح اُسے اپنے پاؤں ہلانے اور چلنے کی عادت پڑے۔ اِس کے بعد وہ اَور بڑا ہوتا ہے تو اُس کے لباس کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ماں باپ سمجھتے ہیں کہ اب اسے پاجامہ شلوار یا تہبند بنا دینا چاہیے۔ سردیوں میں جراب کا استعمال شروع کر دیا جاتا ہے۔ پھر ایک زمانہ بڑھنے کا ایسا آتا ہے جب ہر چھ ماہ کے بعد پہلا لباس چھوٹا ہو جاتا ہے۔ جن گھروں میں بچے زیادہ ہوتے ہیں وہ عموماً اِس قسم کے کپڑے سنبھال کر رکھ لیتے ہیں تا دوسرے بچوں کے کام آئیں۔

قومی ترقیات بھی اِسی طرح چلتی ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک قوم ایک دن میں ہی پیدا ہوئی اور پروان چڑھی ہو۔ قرآن کریم سے پتا لگتا ہے کہ نئی مذہبی قوم اُس وقت کھڑی کی جاتی ہے جب دنیا میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسے فرمایا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ 1 یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اصل وجہ یہ تھی کہ اُس وقت برّ و بحر میں فساد پیدا ہو گیا تھا اور یہی حالت ہمیشہ انبیاء کی بعثت کے وقت رہی ہے۔ قرآن کریم میں خداتعالیٰ فرماتا ہے يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ 2 کہ جب بھی کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے تو اُس کے خیالات چونکہ رائج الوقت خیالات سے مختلف ہوتے ہیں اور لوگوں کو وہ مجنونانہ باتیں معلوم ہوتی ہیں اِس لیے لوگ اُن پر مذاق اُڑاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بھلا کوئی شخص اس کی باتوں کو معقول سمجھ سکتا ہے۔ غرض کوئی نئی جماعت خصوصاً الٰہی جماعت اُسی وقت بنتی ہے جب زمانہ میں فساد اور خرابی

پیدا ہو جائے۔ اور جب فساد اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو کوئی قوم یکدم نہیں بن سکتی بلکہ اُس پر ایک وقت لگتا ہے۔ آخر جب خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی رسول ایسا نہیں آتا جس پر اُس زمانہ کے لوگ استہزا نہیں کرتے تو ظاہر ہے کہ مذاق کسی بڑی قوم کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ دو لاکھ میں سے لاکھ ڈیڑھ لاکھ ہو جاتا یا دو کروڑ میں سے ایک کروڑ یا ڈیڑھ کروڑ لوگ ہو جاتے تو باقی لوگوں میں اتنی ہمت ہی کہاں ہو سکتی تھی کہ وہ ان پر استہزا کرتے۔ مذاق اِسی لیے کیا جاتا ہے کہ وہ قوم دوسروں سے چھوٹی ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انبیاء کی جماعتوں کو لوگ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ 3 کہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چند لوگ ہیں جو ترقی اور بیداری کی خوابیں دیکھ رہے ہیں۔ جن مقاصد کو یہ لوگ پیش کر رہے ہیں اُن کے لیے تو ایک مضبوط قوم کی ضرورت ہے۔ یہ چند آدمی اس کام کو کس طرح کر سکتے ہیں۔

غرض انبیاء کی جماعتیں ہمیشہ چھوٹی ہوتی ہیں اور بعض دفعہ تو اُن کی تعداد اتنی قلیل ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض انبیاء کو صرف ایک ایک شخص نے مانا۔4 اب اُس ایک شخص کا دوسرے لوگوں پر کیا رُعب پڑ سکتا تھا۔ بعد میں یہ جماعتیں آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کرتی ہیں اور اُن کے افراد ایک سے دو، دو سے تین اور تین سے چار ہو جاتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تاریخ سے زیادہ محفوظ تاریخ اَور کسی نبی کی نہیں۔ حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی تاریخیں کسی حد تک محفوظ ہیں لیکن زیادہ تر قابلِ اعتبار وہی حالات ہیں جو قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں۔ باقی تاریخ زیادہ روشن نہیں۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایسی ہے جو ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ جس طرح آپ کو سورہ فاتحہ ملی جو کُھلے مضامین رکھنے والی ہے اِسی طرح آپؐ کو زندگی بھی وہ ملی جو کھلی کتاب کے طور پر تھی۔ آپؐ نے بیویوں سے پیار کیا تو وہ بھی تاریخ میں موجود ہے، آپؐ نے تُھوکا، نہایا، وضو کیا، پیشاب کیا، پانی پیا یا کھانا کھایا تو وہ بھی تاریخ میں محفوظ چلا آتا ہے۔ غرض آپؐ کی تاریخ بھی فاتحہ ہے اور آپؐ کی زندگی بھی فاتحہ ہے۔ دشمن اگر

اعتراض کرتا ہے تو ہم اُسے کہتے ہیں کہ تم اِس لیے اعتراض کرتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کھلی کتاب کے طور پر ہے۔ اگر آپؐ کی زندگی بھی حضرت موسٰی یا حضرت عیسٰی علیہما السلام کی زندگی کی طرح بند کتاب کی طرح ہوتی تو تمہیں اعتراض کرنے کا موقع میسر نہ آتا۔ پس آپؐ کی زندگی پر اعتراضات کی کثرت اس بات کی علامت نہیں کہ آپؐ پر دوسرے انبیاء کی نسبت زیادہ اعتراضات ہوئے ہیں بلکہ اِس بات کی علامت ہے کہ آپؐ کی زندگی ایک کھلی کتاب کے طور پر ہے۔ ایک عورت نے برقع پہنا ہو تو اُس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کے چہرہ پر برص ہے یا نہیں یا وہ کیلوں سے بھرا ہوا ہے یا نہیں۔ اُس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کی ایک آنکھ ہے یا نہیں، یا وہ بھینگی ہے یا نہیں۔ لیکن اگر کسی کا چہرہ کُھلا ہوا ہو تو لوگ اُس پر کئی اعتراضات کر سکتے ہیں لیکن ہم اُس کا مقابلہ ایک برقع پوش عورت سے نہیں کر سکتے۔ یعنی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں برقع پوش عورت کے مقابلہ میں اس غیر برقع پوش عورت پر زیادہ اعتراضات ہوئے ہیں۔ اگر کوئی غیر برقع پوش عورت کا مقابلہ برقع پوش عورت سے کرتا ہے تو وہ پاگل ہے۔ اِسی طرح ہم کہیں گے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثال دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے جیسے ایک غیر برقع پوش عورت کی مثال برقع پوش عورت کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ آپ کی زندگی سورج کی طرح ہے۔ اس کا ہر پہلو نظر آ سکتا ہے لیکن دوسرے انبیاء کی زندگیاں بند کتاب کے طور پر ہیں۔ پس آپؐ کی زندگی ہمارے لیے ایک نمونہ ہے۔

جب آپ نے دعوٰی فرمایا تو ابتدا میں صرف ایک شخص (یعنی حضرت ابوبکرؓ) آپؐ پر ایمان لایا۔ وہ لوگ جنہوں نے بعد میں اسلام میں بڑے بڑے درجات حاصل کیے اُن میں بھی بعض ایسے تھے جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں آپؐ کی سخت مخالفت کی۔ مثلاً خلافت کے زمانہ میں سے سب سے زیادہ روشن زمانہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا ہے لیکن آپ بھی ایک عرصہ تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ پھر آپ کے زمانہ میں بھی اور آپ کے بعد بھی بہترین اسلامی کمانڈر خالد بن ولیدؓ تھے۔ لیکن آپ بھی ہجرت کے بعد چھ سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف جنگ کرتے رہے۔

پھر جب خلافت میں تنزل آیا تو اُس کی گری ہوئی عمارت کو سنبھالنے والے معاویہؓ تھے۔ لیکن آپ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آخری عمر میں ایمان لائے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مکی زندگی میں صرف اسّی نوّے آدمی آپ پر ایمان لائے تھے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد دوسَو تین سَو تک تھی۔ اب دیکھو! ایک شخص جو تیرہ سال تک یہ دعوٰی کرتا رہا کہ وہ ساری دنیا کو فتح کر لے گا، وہ یہ اعلان کرتا رہا کہ اس کی جماعت آخر غالب آئے گی اور اُس کی پیش کردہ تعلیم دوسری سب تعلیموں پر غالب آئے گی اُس کی جماعت میں اگر تیرہ سال کے لمبے عرصہ میں دوسَو یا تین سَو آدمی داخل ہو گئے تو بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ یہ ایسی چیز نہیں جس کے ذریعہ دنیا کو فتح کیا جا سکے۔ ہاں! ایک چیز ضرور تھی اور یہی انبیاء کی سچائی کی علامت ہوا کرتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ5 یعنی جہاں ایک مسافر ایک ماہ میں پہنچ سکتا ہے وہاں تک خدا تعالیٰ نے میرا رُعب پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ آپ کے ابتدائی تیرہ سالوں میں ہی آپ کی آواز حبشہ، نجد اور اردگرد کے علاقہ میں پہنچ گئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی دیکھ لو آپ کے ماننے والے ابھی ابتدا میں پچاس ساٹھ ہی تھے لیکن سارے ہندوستان میں ایک شور مچ گیا تھا۔ مکہ تک سے کفر کے فتوے آ گئے تھے۔ حالانکہ کیا پِدّی اور کیا پِدّی کا شوربا۔ آپ کے ماننے والے پچاس ساٹھ کی تعداد میں تھے۔ اس سے گھبرانے کی کونسی وجہ تھی۔ اس کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ شیر کا بچہ پہلے دن بھی شیر کا بچہ ہوتا ہے اور بھیڑ کا بچہ سَو سال کے بعد بھی بھیڑ کا ہی بچہ ہوتا ہے۔ لوگوں کو اس قلیل جماعت میں بھی ایک شان نظر آتی تھی۔ اس لیے دوسرے لوگ اس کے مخالف ہو گئے۔

ایک دفعہ ایک مدعی نبوت نے مجھے لکھا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں نے آپ کو اتنے خطوط لکھے ہیں اور اتنے رسالے بھیجے ہیں لیکن آپ نے اُن کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ کم سے کم ان کی تردید تو کر دیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ مجھے مان لیں لیکن اِس قدر تو کریں کہ ان کی تردید کر دیں۔ میں نے سمجھا کہ اب اس خط کا جواب مجھے ضرور دینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے اُسے لکھا کہ یہ تردید بھی قسمت والوں کو میسر آتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ لو آپ نے دعویٰ کیا تو سارے لوگ آپ کے خلاف کھڑے ہو گئے لیکن ہم تمہاری کتابوں اور رسالوں کی تردید بھی نہیں کرتے۔ یہ ثبوت ہے اِس بات کا کہ تمہارے ساتھ خداتعالیٰ نہیں۔ لوگ کہتے ہیں

ہونہار بِروا کے چکنے چکنے پات

جب کوئی تعلیم پھیلنے والی ہوتی ہے تو اس میں جامعیت پائی جاتی ہے اور لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اس تعلیم میں وہ خوبیاں موجود ہیں جو دوسرے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیں گی۔ لیکن جس تعلیم میں یہ خوبیاں موجود نہ ہوں، اس میں جامعیت نہ پائی جاتی ہو تو لوگ سمجھتے ہیں یہ ردّی چیز ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ فرض کرو ایک آدمی ایک انچ کی دھجّی 6 اعلیٰ قسم کی ریشم کی لے آئے تو کیا کوئی شخص خیال کرسکتا ہے کہ وہ اس سے قمیص تیار کر لے گا۔ اِسی طرح اگر کوئی خاص مسئلہ لے کر کھڑا ہو جائے یا کسی اقتصادی نکتہ کے متعلق اپنی تعلیم پیش کرے تو چاہے وہ کتنا ہی اعلیٰ ہو وہ مذہب نہیں کہلا سکتا۔ اعلیٰ قسم کا مذہب وہی ہوسکتا ہے جس سے زندگی کے ہر شعبہ میں ہدایت ملتی ہو۔ اگر کوئی مذہب زندگی کے ہر شعبہ میں ہدایت نہیں دے سکتا تو لوگ اسے قبول نہیں کر سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لوگوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ آپ کی باتیں مولویوں والی نہیں۔ مولوی ایک بات کو لے لیتے ہیں اور اُس پر سارا زور لگا دیتے ہیں۔ مثلاً بعض اس بات پر ہی سارا زور لگا دیں گے کہ کوّا حلال ہے یا نہیں۔ اب اگر کوّا حلال ثابت ہو جائے اور لوگ اسے کھانا شروع کر دیں تب بھی اس سے کیا ہو گا۔ لیکن آپ نے وہ تعلیم پیش کی جس میں زندگی کے ہر شعبہ میں ہدایت ملتی تھی۔ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن کریم کے پیش فرمودہ اصول کو دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس لیے ہر شخص نے یہ سمجھ لیا کہ اب لوگ اس تعلیم کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ پہلوں کے پاس نہ دونّیاں ہیں نہ چوَنّیاں ہیں، نہ اَٹھنّیاں ہیں، نہ روپے اور نوٹ ہیں۔ پھر انہیں صرّاف کیسے کہا جا سکتا ہے۔ صراف کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس دونّیاں، چوَنّیاں، اَٹھنّیاں اور روپے وغیرہ موجود ہوں۔ اس کے پاس نوٹ ہوں اشرفیاں ہوں صرف چند پیسے پاس ہونے سے اسے صرّاف نہیں کہا جا سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

دنیا میں آئے تو ابتدائی تیرہ سالوں میں اسّی نوّے یا بعض روایات کے مطابق دوسَو تین سَو لوگ آپ پر ایمان لائے لیکن آپ کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ حبشہ اور نجد تک آپ کی تعلیم پہنچ چکی تھی اور امراء، رؤساء، فقہاء اور بادشاہوں نے آپ کی طرف توجہ شروع کر دی تھی۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ لو آپ کے ماننے والوں کی تعداد ابتدا میں پچاس ساٹھ تھی۔ لیکن آپ کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی۔ اس کے مقابلہ میں جن لوگوں نے دعوٰی کیا اُن کو اپنے علاقہ سے باہر کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ اس قسم کے لوگوں کو خواہ پچاس ساٹھ مان بھی لیں ان کے متعلق لوگ یہ احساس بھی نہیں کرتے کہ وہ دنیا میں کوئی تغیر پیدا کر لیں گے۔ یہ لوگ روزانہ لکھتے ہیں کہ اب قیامت آ جائے گی لیکن عملی طور پر ایک چارپائی بھی نہیں ہلتی اور دنیا میں کوئی منفی یا مثبت تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ یہی ثبوت ہے اس بات کا کہ ان کی مثال بھیڑیے کے چمڑے میں بھیڑ کی سی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے اگرچہ تھوڑے تھے لیکن لوگوں میں ان کی وجہ سے گھبراہٹ بہت زیادہ تھی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی تعلیم دنیا کو کھا جائے گی۔ اِسی طرح ہماری جماعت کو دیکھ لو مخالف بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں، عوام کو بھڑکاتے ہیں، فتوے دیتے ہیں لیکن دنیا ڈرتی ہم سے ہی ہے۔ اگرچہ ہم انہیں تسلیاں دیتے ہیں اور یہ کہتے کہتے تھک جاتے ہیں کہ ہم تمہارے دشمن نہیں تمہارے خیرخواہ ہیں لیکن پھر بھی وہ تسلّی اور اطمینان نہیں پکڑتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ تعلیم اِس قسم کی ہے کہ جہاں بھی جائے گی لوگ اِس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور اگر ہمارے اردگرد کے لوگوں نے ان کی باتیں سن لیں تو وہ ہمیں چھوڑ کر اس تعلیم کو قبول کر لیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے اسلام پر ہر طرف سے اعتراضات ہو رہے تھے کیا یہودیت اور کیا عیسائیت اور کیا ہندو مذہب ہر ایک کے ماننے والے اسلام پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا مقابلہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی آپ کی مخالفت کی اور یہ نہ سمجھا کہ آپ ان کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔ لیکن اب ہماری یہ حالت ہے کہ کوئی ماں کا بچہ ایسا نہیں جو اسلام پر کوئی

اعتراض کر سکے اور پھر اُس کا جواب نہ دیا جا سکے۔ پس تم نے ترقی کی طرف ایک قدم اُٹھایا ہے۔ بیج تمہارے پاس ہے جو بویا گیا ہے اور پھر وہ زمانہ تمہیں ملا ہے جس میں تمہاری ترقی لازمی ہے۔ جس طرح پانچ چھ سال کا بچہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے بڑھنا نہیں باوجود اِس کے کہ اُس کا ارادہ شامل نہیں ہوتا پھر بھی وہ بڑھتا جاتا ہے۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ نے تمہارے اندر ایسی روح پیدا کر دی ہے کہ تم نے بہرحال بڑھنا ہے۔ چاہے تمہارا ارادہ اور عزم ساتھ شامل ہو یا نہ ہو۔

پھر جس طرح یہ نہیں ہوسکتا کہ پانچ چھ سال کے بچہ کا لباس آٹھ نو سال کی عمر کے بچہ کو پورا آسکے اِسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ تمہارے پچھلے سال کا چندہ اگلے سال کے لیے کافی ہو۔ جب تک تم پہلے سے زیادہ قربانی نہیں کرو گے، جب تک تم اپنے چندے کو پہلے سالوں سے زیادہ نہیں بڑھاؤ گے، جب تک تم چندہ دینے والوں کی تعداد ہر سال بڑھاتے نہیں جاؤ گے تمہارا لباس تمہارے جسم پر بے جوڑ معلوم ہو گا۔ اگر کوئی لمبا شخص کسی چھوٹے بچے کا لباس پہننا چاہے تو اول تو وہ پہنتے پہنتے پھٹ جائے گا اور اگر وہ کسی طرح اُس کو پہن بھی لے تو وہ صرف ناف تک یا اس کے اوپر تک آئے گا باقی جسم ننگا رہ جائے گا۔ اِسی طرح تمہارے ساتھ ہو گا۔ اگر تمہاری شہرت کے مقابلہ میں تمہارا کام اور تمہارا چندہ کم ہو تو سب دیکھنے والوں کو تمہارا یہ عیب نظر آئے گا۔ تمہارا کام آج ہر قوم کے سامنے ہے۔ جس طرح ایک کُرتا قد کے برابر نہ ہو تو وہ ہر شخص کو بُرا نظر آتا ہے۔ اِسی طرح اگر تمہاری قربانی اور تمہارے چندے تمہارے کام کی نسبت سے تھوڑے ہوں گے تو تمہارا یہ عیب ہر شخص کو نظر آئے گا۔

کوئٹہ میں ایک فوجی افسر میرے پاس آیا اور اس نے کہا میں ایک جگہ پر گیا۔ وہاں آپ کی جماعت کا ایک مبلغ تھا اور وہ بہت اچھا کام کر رہا تھا لیکن میں نے دیکھا ہے، نہ اُسے اچھا لباس میسر تھا اور نہ اچھا کھانا ملتا تھا اور اُسے ہر بڑے شخص سے ملنا پڑتا تھا۔ اگر آپ اُسے اچھا لباس مہیا نہیں کر سکتے اور اسے اچھا کھانا نہیں دے سکتے تو وہ تبلیغ کا کام کیسے کرے گا؟ ایک شخص نے اِس سے پہلے بھی مجھے لکھا تھا (شاید یہ وہی شخص تھا جو بعد میں مجھے کوئٹہ میں ملا)

کہ میں سنگاپور سے آیا ہوں۔ وہاں آپ کے مبلغ کام کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ انہیں اچھا کھانا اور اچھا لباس نہیں مل رہا۔ وہ فقیروں کی طرح رہتے ہیں۔ میں احمدی تو نہیں لیکن اُن کی حالت دیکھ کر اِس قدر متأثر ہوا ہوں کہ آپ کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر آپ وہاں کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اپنے مبلغوں کو اچھا کھانا اور اچھا لباس تو مہیا کریں۔ اِس شکایت کرنے والے دوست کو تو ہمارے مبلغین کا ظاہری لباس اور ظاہری کھانا نظر آیا اور مجھے یہ فکر ہے کہ ہم اپنے مبلغین کو باطنی کھانا بھی مہیا نہیں کر رہے۔ ہمارے ہر مبلغ کے پاس سینکڑوں کتابوں پر مشتمل ایک لائبریری ہونی چاہیے تا کہ وہ ایک وقت میں سَو دو سَو آدمیوں کو مطالعہ کے لیے کتب دے سکے۔ بلکہ پوری طرح توجہ دلانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس ایک ایک کتاب کے دس دس پندرہ پندرہ نسخے ہوں تا ایک ہی وقت میں ایک کتاب سے ایک سے زیادہ آدمی فائدہ اُٹھا سکیں۔ اگر ہر مشن میں سَو کتابیں ہوں اور ان کے پندرہ پندرہ نسخے ہوں تو پندرہ سَو کتاب تو یہی بن جاتی ہے۔ پھر کئی لوگ ایسے آ جاتے ہیں جو تفسیر، حدیث یا کسی اَور مضمون کی کتاب لینا چاہتے ہیں۔ اس لیے اگر ہم صحیح طور پر کام کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہمارے ہر مبلغ کے پاس دو تین ہزار کتب کی لائبریری ہو۔ جو شخص ملنے کے لیے آتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھے گا اور باتیں سنے گا اور پھر چلا جائے گا لیکن اگر ہم اسے کوئی کتاب دے دیں تو وہ گھر میں بھی اسے پڑھتا رہے گا اور اس طرح تبلیغ سے وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکے گا۔

میں نے پہلے بھی کئی دفعہ سنایا ہے کہ سرحد کے ایک رئیس خان فقیر محمد خاں صاحب آف چارسدہ مرحوم ایگزیکٹو انجنیئر (بعد میں وہ سپرنٹنڈنٹ انجنیئر ہو گئے) ایک دفعہ مجھے دہلی میں ملے۔ انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ میرے بھائی محمد اکرم خاں صاحب احمدی ہیں۔ میں سیر کے لیے انگلستان جا رہا ہوں۔ انہوں نے چلتے چلتے بعض کتابیں میرے ٹرنک میں رکھ دی ہیں۔ میری ایک لڑکی کی منگنی ان کے لڑکے سے ہوئی ہے۔ ویسے بھی مجھے ان کا بڑا ادب ہے کہ وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔ میں نے انہیں کہا آپ نے کیا کیا ہے؟ میں تو سیر کے لیے جا رہا ہوں۔ ان کتابوں کے پڑھنے کا کہاں موقع ہو گا۔ مگر وہ مانے نہیں اور کہا کہیں خیال آیا

تو انہیں پڑھ لینا۔ میں نے کہا اچھا رکھ دو۔ ولایت جا کر انہوں نے مجھے ایک چٹھی لکھی۔ اس کے شروع میں یہ لکھا تھا کہ شاید آپ مجھے نہ پہچانیں میں اپنی پہچان کے لیے لکھتا ہوں کہ میں وہ ہوں جو آج سے تین ماہ پہلے آپ سے دہلی کے شاہی قلعہ میں ملا تھا اور میں نے آپ سے کہا تھا کہ ہماری دو والدہ تھیں اور ہر ایک والدہ سے ہم دو دو بھائی ہیں۔ ان میں سے ایک ایک ہم نے آپ کو دے دیا ہے اور ایک ایک غیراحمدیوں کو دے دیا ہے۔ اِس طرح ہم نے پورا پورا انصاف کیا ہے۔ روپیہ میں سے اَٹھنّی آپ کو دی ہے اور اَٹھنّی دوسرے مسلمانوں کو۔ اور آپ نے بھی مذاقاً یہ کہا تھا کہ ہم تو اَٹھنّی پر راضی نہیں ہوتے۔ ہم تو پورا روپیہ لے کر چھوڑا کرتے ہیں۔ سو اَب میں ایک اَور چوَنّی آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو آپ کی بیعت میں شامل کرتا ہوں۔ انہوں نے لکھا میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میرے بھائی محمد اکرم خاں صاحب نے کچھ کتابیں میرے ٹرنک میں رکھ دی تھیں۔ ہم پٹھان ہیں۔ ہم میں اسلام کی خدمت کا جوش ہوتا ہے۔ چاہے ہمیں کچھ آئے یا نہ آئے ہمارا ارادہ ضرور ہوتا ہے کہ ہم کسی کافر کو ماریں۔ وہی جوش مجھ میں بھی تھا۔ جب میں انگلستان پہنچا اور میں نے یہاں مختلف مقامات کی سیر کرنی شروع کی تو چونکہ میں گورنمنٹ کا ایک عہدیدار تھا اس لیے مجھے بعض اداروں کے دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے ایک کارتوس کے مقابلہ میں ان کے پاس لاکھوں بلکہ کروڑوں کارتوس اور ایک بندوق کے مقابلہ میں لاکھوں بندوقیں ہیں اور طرح طرح کے ترقی یافتہ ہتھیار ہیں۔ ہمارے ہاں طیاروں کا نام و نشان نہیں لیکن ان کے پاس بڑی تعداد میں طیارے ہیں۔ پھر اس ملک کے کارخانوں کے مقابلہ میں ہمارے پاس کوئی چیز نہیں۔ یورپ کی اِس ترقی کو دیکھ کر میرے دل میں مایوسی پیدا ہوئی اور یقین ہو گیا کہ اب اسلام دنیا پر غالب نہیں آ سکتا۔ اپنی اِس کمزوری اور مجبوری کے ہوتے ہوئے ہم اتنے بڑے ترقی یافتہ دشمن کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔ تلوار سے مارنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسرا شخص کمزور اور نہتّا ہو لیکن یہاں تو یہ ہے کہ ہم کمزور اور نہتّے ہیں اور دشمن ہم سے کئی گُنا زیادہ طاقتور ہے۔ میری حالت پاگلوں کی سی ہو گئی۔ کل شام کو گھر آیا تو مایوسی کی حالت میں مَیں نے گھر والوں سے کہا کہ محمد اکرم خاں نے بعض کتب میرے ٹرنک میں رکھی تھیں، وہ دو۔

شاید اُن سے مجھے تسلّی مل سکے۔ اتفاق سے آپ کی کتاب دعوۃ الامیر میرے ہاتھ آئی۔ اس کے ابتدا میں اتفاقاً یہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اسلام جب شروع ہوا تو اس کے متعلق کوئی شخص یہ امید نہیں کرسکتا تھا کہ جیت سکے لیکن ان مخالف حالات کے باوجود اسلام جیت گیا۔ پھر جب اسلام جیت گیا تو کوئی شخص یہ خیال نہیں کرسکتا تھا کہ یہ گرے گا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی پیشگوئیاں ایسی موجود تھیں کہ اسلام پر ایک وقت ایسا آئے گا جب اس کے پاس مقابلہ کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔7 چنانچہ وہی ہوا جس کا پیشگوئیوں میں ذکر تھا یعنی اسلام باوجود طاقتور ہونے کے تنزل پا گیا۔ اس کے بعد آپ نے اسلام کی ترقی کے متعلق بہت سی پیشگوئیوں کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئیاں پوری ہوگئیں جو اسلام کے تنزل کے متعلق تھیں تو وہ پیشگوئیاں کیوں پوری نہیں ہوں گی جو اسلام کے دوبارہ غلبہ کے متعلق ہیں۔ جن سامانوں کو سَو سال پیشتر خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا ذکر آج سے تیرہ سَو سال قبل کر دیا، جس مایوسی کا تم آج سے سَو سال قبل اندازہ بھی نہیں کر سکتے تھے آج سے تیرہ سَو سال قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے ہوشیار کر دیا۔ آپ نے فرمایا ایک شخص رات کو مومن سوئے گا صبح کو کافر اُٹھے گا اور دن کو مومن ہوگا لیکن رات کو کافر سوئے گا۔8 خاں فقیر محمد صاحب نے لکھا کہ میں جوں جوں اِس کتاب کو پڑھتا جاتا تھا سارا نقشہ میرے سامنے آتا جاتا تھا اور میں نے سمجھ لیا کہ میری مایوسی غلط تھی۔ میری بیوی نے کہا اب تم آرام کرلو کہیں پاگل نہ ہو جانا۔ مگر میں نے کہا اب میں کتاب ختم کر کے سوؤں گا اور ارادہ کرلیا کہ میں اُس وقت تک سونے کے لیے اپنے بستر پر نہیں جاؤں گا جب تک کہ آپ کو اپنی بیعت کا خط نہ لکھ لوں۔ چنانچہ سونے سے پہلے میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میری بیعت کو قبول کیا جائے۔

غرض ضروری ہے کہ ہم اپنے مبلغین کو بڑی تعداد میں لٹریچر مہیا کریں اور اس کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اور میں نے بتایا ہے کہ ہم مالی لحاظ سے کمزور ہونے کی وجہ سے نئے مبلغ نہیں بھیج سکتے۔ اِسی طرح پرانے مبلغین کے لیے لائبریری کا انتظام بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کام ہم نے نئے سرے سے کرنا ہے۔ ہر ملک میں کم از کم ایک ایک کتاب کے سَو سَو نسخے

ہوں تا کہ ایک وقت میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمی ہماری کتب پڑھ رہا ہو۔ اگر ہم اس قسم کا انتظام کر لیں تو لازمی بات ہے کہ سمجھدار، سنجیدہ، شریف اور خداتعالیٰ سے محبت رکھنے والے لوگ آنے شروع ہو جائیں گے۔ اور یہ کام بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ ہمارا قربانی کا قدم ہمیشہ آگے رہے۔ اگر ہم ایک جگہ پر ٹِک جاتے ہیں تو ہماری وہی مثال ہو گی جیسے ایک نوجوان کو پانچ چھ سال کے بچے کا لباس پہنا دیا جائے تو وہ لباس یا تو پھٹ جائے گا اور اگر وہ پہننے میں کامیاب بھی ہو جائے تو ناف سے اوپر ہی رہے گا۔ اور یہ بے جوڑ لباس نہ تمہیں اپنوں میں عزت دے سکتا ہے اور نہ غیروں میں عزت دے سکتا ہے۔ اگر تم اپنوں اور بیگانوں میں عزت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اِس کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ ہے کہ تم حوصلہ اور ہمت سے کام کرو۔ اگر تم خداتعالیٰ کے رستہ میں خرچ کرو گے تو خداتعالیٰ تمہیں اَور دے گا۔ پس میں دونوں دفتروں والوں سے کہتا ہوں کہ تم سب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ دفتر دوم کے متعلق میں نے بتایا تھا کہ اس کی حالت نہایت افسوسناک ہے۔ ان کا قدم پیچھے کی طرف جا رہا ہے۔ نوجوانوں کو تو بوڑھوں سے زیادہ تیز ہونا چاہیے تھا اور ان کا قدم دلیری کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے تھا۔ اگر کوئی شخص مالی لحاظ سے یا ایمان کے لحاظ سے کمزور بھی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ بناوٹ سے ہی ساتھ چلتا چلا جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ کے لیے مکہ تشریف لے گئے اور حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک لیا گیا تو اُس وقت آپ کے اور مشرکینِ مکہ کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا کہ مسلمان اگلے سال عمرہ کے لیے آ جائیں۔ اس موقع پر مشرکینِ مکہ، قریب کی پہاڑیوں پر چلے جائیں گے۔ چنانچہ اگلے سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت عمرہ کے لیے آئے۔ وہ موسم ملیریا کا تھا۔ مدینہ سے مکہ آتے ہوئے رستہ میں ملیریا کا علاقہ تھا۔ اسلامی لشکر اس علاقہ سے گزرا تو اس کی اکثریت ملیریا کی وجہ سے بیمار ہوگئی۔ ملیریا نے مسلمانوں کی ہڈیوں کو کھوکھلا کر دیا۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ملیریا کی وجہ سے ہماری کمریں کُبڑی ہوگئی تھیں۔ ہم اپنی کمریں سیدھی نہیں کر سکتے تھے۔ جب ہم طواف کرنے لگے تو مشرکینِ مکہ جبل ابوالقبیس پر چلے گئے تھے اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں کی حالت کو دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ

مسلمانوں کے رشتہ دار تھے۔ معاہدہ کی وجہ سے وہ قریب آ کر تو مل نہیں سکتے تھے انہوں نے سمجھا کہ چلو دور سے ہی ان کی شکلوں کو دیکھ لیا جائے۔ اِدھر مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ملیریا کی وجہ سے اُن کی کمریں کُبڑی ہو چکی تھیں اور ان کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ وہ صحابی کہتے ہیں میں طواف کرتے ہوئے کُبڑا ہو کر چلتا تھا لیکن جونہی جبل ابوالقبیس کے سامنے آتا تھا اپنی کمر سیدھی کر لیتا اور اکڑ کر چلنے لگتا۔ جب اُس جگہ سے ہٹ جاتا تو پھر کُبڑا ہو کر چلنے لگتا۔ جب میں نے طواف ختم کر لیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور میرا نام لے کر پوچھا تم یہ کیا کر رہے تھے۔تم جونہی جبل ابوالقبیس کے سامنے آتے تھے اکڑ کر چلنے لگتے تھے۔ میں نے عرض کیا یَارَسُولَ اللّٰہ! ملیریا نے ہماری ہڈیاں کھوکھلی کر دی ہیں۔ہم سے سیدھی کمر کر کے چلا نہیں جاتا۔ کافر ہماری حالت دیکھ رہے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ اگر میں نے طواف کرتے ہوئے کوئی کمزوری دکھلائی تو کافر خیال کریں گے کہ ملیریا کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت زائل ہو چکی ہے اور اب وہ ہمارا شکار ہیں۔ چنانچہ جب میں اُن کے سامنے سے گزرتا تھا تو اپنی کمر سیدھی کر لیتا تھا اور اکڑ کر چلتا تھا اور جب اس جگہ سے ہٹ جاتا تو کُبڑا ہو کر چلنے لگتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اکڑ کر چلنا خداتعالیٰ کو سخت ناپسند ہے لیکن اِس شخص کا اکڑ کر چلنا خداتعالیٰ کو بہت ہی پیارا لگا ہے۔9

غرض بعض اوقات انسان اپنی کمزوری کی حالت میں بھی خداتعالیٰ کا قُرب حاصل کر لیتا ہے۔ اگر تم قربانی کے لحاظ سے کمزور ہو یا مالی لحاظ سے کمزور ہو یا سخاوت کے لحاظ سے کمزور ہو تب بھی یہ دیکھ کر کہ اِس وقت اسلام اور احمدیت کو تمہاری قربانی کی ضرورت ہے تم بناوٹ کے طور پر اکڑ کر چلو۔ گو تم دلی طور پر اِس قربانی پر ناخوش ہو گے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت ہے اس لیے تمہارا قبض سے قربانی کرنا جو بظاہر ایک گناہ ہے تمہارے لیے نیکی سے بھی بڑھ کر ثواب کا موجب ہو گا۔ کیونکہ تم اس بات کی بنیاد رکھ رہے ہو کہ جو کام آج تم نے قبض سے کیا ہے آئندہ تم اُسے بشاشت سے کرو گے کیونکہ ہر نیکی دوسری نیکی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ جس کام سے نیکی کی توفیق نہ ملے اُس کے متعلق یہ سمجھ لو کہ وہ درحقیقت نیک کام نہیں تھا۔اِس طرح ہر وہ کام جو بظاہر صحیح معلوم نہ ہو اگر اس سے کسی نیکی کی توفیق مل جائے تو

وہ بھی ثواب کا موجب ہوتا ہے۔

پس میں جماعت کے احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور زیادہ سے زیادہ وعدے لکھائیں اور پھر انہیں جلد پورا کریں۔ اِسی طرح نئے نئے لوگوں کو تحریک کر کے اس تحریک میں شامل کریں۔ تمہارا چندہ ہر سال پہلے سے زیادہ ہونا چاہیے کیونکہ تمہارا کام ہر سال بڑھے گا۔ جیسے پانچ چھ سال کے لڑکے کا لباس بڑی عمر والے آدمی کو پورا نہیں آتا اِسی طرح تمہاری اِس سال کی قربانی اگلے سال کام نہیں آ سکتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بڑھا رہا ہے۔ جس طرح ایک بچہ بڑھتا جاتا ہے اور اس کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ بڑھنے کو روک سکے اِسی طرح تم پر بھی وہ دَور آیا ہوا ہے۔ قانونِ قدرت تمہیں بڑھا رہا ہے۔ پس تمہاری آج کی قربانی کل کے کام نہیں آئے گی کیونکہ تمہارا قدم لازماً آگے بڑھے گا اور تمہیں اپنی قربانی بھی لازماً بڑھانی پڑے گی۔ اگر تم اپنی قربانی کو بڑھاتے نہیں تو تمہاری حالت مضحکہ خیز بن جائے گی۔ اگر چھ سال کے بچے کا لباس بڑی عمر والا پہن لے تو کیا تم اس پر ہنسو گے یا نہیں؟ اگر تم یہ دیکھو کہ اٹھارہ سال کا نوجوان جو کرکٹ کا کھلاڑی ہے وہ چوسنی منہ میں لیے پھر رہا ہے تو تم اُس پر ہنسو گے یا نہیں؟ اگر تم دیکھو کہ ایک ٹیم کا کپتان جھنجھنا10 ہلانا شروع کر دیتا ہے تو تم اُس پر ہنسو گے یا نہیں؟ اگر تم کسی اُستاد کو دیکھو کہ وہ گڑیا اُٹھائے پھرتا ہے تو تم اس پر ہنسو گے یا نہیں؟ اگر اِسی طرح تمہیں دنیا دیکھے گی کہ تمہارا کام خدا تعالیٰ نے بڑھا دیا ہے لیکن قربانی تمہاری کل والی ہے تو وہ تم پر ہنسے گی یا نہیں؟ تم اپنی حالت پر قیاس کر لو کہ تم دوسروں کو بے جوڑ لباس پہنے دیکھ کر اُن کے متعلق کیا خیال کرتے ہو۔ پھر تمہارے متعلق دوسرے لوگ کیا خیال کریں گے؟ خدا تعالیٰ تمہارے متعلق کیا خیال کرے گا؟ کیا تم، دونوں کی نظروں میں بے جوڑ نہیں بن جاتے؟ اور پھر یہ زمانہ تو تمہارے بڑھنے اور ترقی کرنے کا ہے۔ جسمانی طور پر اگر جوانی کا زمانہ آتا ہے تو لازماً اس کے بعد بڑھاپا آتا ہے۔ لیکن روحانی طور پر یہ زمانہ تمہارے لیے اِس قدر مبارک ہے کہ اگر تم یہ دعائیں کرتے رہو کہ تم بوڑھے نہ بنو تو تمہارا جوانی کا زمانہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ اگر جسمانی طور پر کوئی یہ کہے کہ میں جوان ہی رہوں تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بوڑھا نہ ہو اور جوانی کی عمر میں ہی مر

جائے۔ لیکن اگر کسی قوم کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ ہمیشہ جوان رہے تو اگر وہ کوئی کمزوری نہ دکھائے تو وہ فی الواقع جوان ہی رہتی ہے۔ لیکن انسانی زندگی کے متعلق یہ کہنا کہ کوئی جوان ہی رہے بددعا بن جاتی ہے۔

ایک دفعہ اِسی قسم کا ذکر چھڑ گیا تو میں نے بتایا کہ بلغاریہ کے لوگ بڑے تنومند اور مضبوط جسم والے ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک قسم کی دہی تیار کرتے ہیں۔ اُس دہی کا وہ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے وہ بڑے تنومند اور مضبوط ہوتے ہیں۔ پاس ہی ایک زمیندار دوست تھا۔ وہ بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا میرا بھی یہ تجربہ ہے کہ جو شخص التزاماً دہی استعمال کرے وہ بوڑھا نہیں مرتا۔ اس پر دوسرے لوگوں نے اُس سے مذاق کرنا شروع کر دیا کہ تمہارا یہ فقرہ کہنے کا کیا مطلب ہے؟ اُس کا تو یہ مطلب ہے کہ دہی کھانے والے جوانی کی عمر ہی میں مر جاتے ہیں بوڑھا ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ پس جسمانی زندگی میں ایک جوان کا بوڑھا ہونا ضروری ہے۔ لیکن روحانی زندگی میں ضروری نہیں کہ کوئی قوم بوڑھی ہو۔ اگر کوئی قوم قربانی کرے اور اپنا معاملہ خداتعالیٰ سے درست رکھے تو اُس پر ہمیشہ جوانی کی عمر رہتی ہے بڑھاپا محض اس کی کمزوری کی وجہ سے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ 11 کہ ہم جسمانی بڑھاپا تو ضرور لاتے ہیں لیکن روحانی بڑھاپا کسی قوم پر صرف اس وقت لاتے ہیں جب وہ خود بڑھاپا چاہتی ہے۔

پس روحانی جوانی کو تم سینکڑوں، لاکھوں بلکہ کروڑوں سال تک بھی قائم رکھ سکتے ہو اور اِس کا نمونہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگلے جہان میں جو جنت ملے گی اُس میں کوئی بوڑھا نہیں ہوگا۔ 12 یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ اگر کوئی قوم روحانی طور پر جوان رہنا چاہتی ہے تو اُس پر بڑھاپا نہیں آتا۔ پس اگر تم جوان رہنا چاہتے ہو تو تمہیں ہر روز اپنی قربانی بڑھانی پڑے گی۔ اگر تمہیں ایسا کرتے ہوئے بشاشت محسوس نہیں ہوتی تو تم خداتعالیٰ کی خاطر بناوٹ کے طور پر ہی اپنی قربانی کو بڑھاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اگلے سال تمہیں سچے دل سے خدا کی خاطر قربانی کرنے کی توفیق مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ تم اپنی

ذمہ داریوں کو سمجھو، تا اِس ترقی کے ساتھ ساتھ جو خداتعالیٰ تمہیں دے رہا ہے تم خداتعالیٰ اور دنیا کی نظروں میں فیل نہ ہو۔ تمہاری قربانی ہر روز بڑھتی چلی جائے تا کہ تم اپنی ذمہ داریوں کی گاڑی کو برابر کھینچ سکو"۔ (الفضل 11 دسمبر 1954ء)

---

1 : الروم:42

2 : یٰس: 31

3 : الشعراء :55

4 : مسلم کتاب الایمان باب قول النبی انا اول الناس یشفع فی الجنة و انا اکثر الانبیاء تبعا

5 : صحیح بخاری ابواب المساجد باب قول النبیؐ جُعِلَتْ لِیَ الارض مسجدًا وطهورًا

6 : دھجّی: کپڑے یا کاغذ کی کترن ۔ پرزہ، ٹکڑا، چیتھڑا (فیروز اللغات اردو جامع ۔ فیروز سنز لاہور)

7 : کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ۔ جلد 11 صفحہ 181۔ حدیث نمبر 31136۔ حلب 1974ء

8 : مسلم کتاب الایمان باب الحث علی المبادرة بالاعمال

9 : سیرت ابن ہشام ۔ المجلد الثانی ۔ جزء 4 ۔ صفحہ 9، 10 ۔ عنوان عمرة القضاء فی ذی القعدة سنة سبع۔ بیروت لبنان 2000ء

10 : جھنجھنا: بچوں کا ایک کھلونا جس میں کنکر پڑے ہوتے ہیں ۔ (فیروز اللغات اردو جامع ۔ فیروز سنز لاہور)

11 : الرعد:12

12 : ترمذی ابواب صفة الجنة باب ماجاء فی ثیاب اَهْلِ الْجَنَّةِ